کی روشنی کی رہنمائی میں ان کو اس کی اندرونی تعلیم عبادات وغیرہ کے سمجھنے کا اچھی طرح موقع ملے گا۔ وہ جب اس کے منہاج سے مانوس ہو جائیں گے اس کی پابندیوں اور امتیازاتِ خصوصی کو خوشی خوشی قبول کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ سید صاحب مرحوم نے تبلیغِ حق کے اس گُر سے بڑی قابلیت اور دیدہ وری سے کام لیا ہے۔ اُن کے مضامین اور تصانیف میں یہ چیز بہت ہی نمایاں نظر آتی ہے۔

حضرات! دیوبند اور ندوہ کے درمیان بُعد و اجنبیت کی داستان اب اگرچہ کہنہ ہو کر طاقِ نسیاں کے حوالے ہو چکی ہے پھر بھی ہم کو اس کے ماضی سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔ تاویلیں خواہ کتنی ہی دل پذیر کی جائیں۔ ندوہ اور دیوبند کا بُعد ایک حقیقت تھا اگر کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس بُعد میں کبھی کبھی ایک لطیف قسم کی نفرت کی بو محسوس ہونے لگتی تھی، اور حقائق سے چشم پوشی نہ کی جائے۔ تو اس کے کچھ وجوہ بھی سمجھ میں آتے ہیں۔

اس مرحلے پر بے اختیار مجھے ایک تاریخی بات یاد آگئی، اخلاص و محبت کے اس بے لوث اجتماع میں غالباً اس کا ذکر کچھ زیادہ نامناسب نہ ہوگا۔ واقعات کی تفصیل حضرت سید صاحب مرحوم کی مشہور تالیف حیاتِ شبلی میں موجود ہے۔ میں یہاں اجمالی اشاروں سے کام لوں گا۔

غالباً جون ۱۹۱۲ء کی بات ہے کہ سیرۃ النبیؐ کا مقدمہ ملک کے ایک شہرۂ آفاق ہفتہ وار اخبار میں شائع ہوا، اس کا شائع ہونا تھا کہ بعض اہلِ علم نے جن میں شاید کچھ دیوبند کے خیال کے اصحاب بھی شامل تھے منظم طریقے پر بیگم صاحبہ بھوپال تک یہ شکایت پہنچائی کہ آپ جس چیز کی اعانت کر رہی ہیں وہ دین کی نہیں الحاد کی اعانت ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سیرۃ النبیؐ کی ابتدائی ترتیب کے مصارف کیلئے بھوپال کی یہ امداد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی، اسلئے قدرتی طور پر معاملے نے نہایت نازک شکل اختیار کر لی اور اسکے اثرات صورتِ حال کی پوری نوعیت پر پڑنے لگے، مولانا شبلی مرحوم کے پاس اس کے متعلق سرکاری مراسلہ پہنچا جسکے جواب میں مولانا نے لکھا "سرکارِ عالیہ کسی مستند عالم کو تجویز فرمائیں تاکہ مسودہ اسکے پاس بھیجدیا جائے" اور مولانا نے اپنی طرف سے اس کام کے لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کا اسم گرامی تجویز فرمایا۔ چنانچہ حضرت کے خادمِ خاص اور ہمدمِ دیرینہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم اس خدمت کی انجام دہی کے لئے واسطہ بنے اور موصوف نے مولانا شبلی کی